محمد الیاس (الیاس بابر اعوان)
پی ایچ ڈی سکالر
لیکچرر انگریزی: نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد
ڈاکٹر عابد مسعود
اسسٹنٹ پروفیسر
شعبہء انگریزی: بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

سلطنتِ عثمانیہ: حرم سرائے اور مغرب کی (غلط) نمائندگی

In Muslim culture Seraglio is known as the part of the Muslims' house particularly sultans/kings and emperors' or palace particularly reserved for the wives and concubines. Contrary to this a number of tales about harem/seraglio have been concocted on the basis of information collected by early modern travel narratives and intuition. Such early modern (Mis)-representations are an attempt to characterize the institute of harem as a legitimate place for seduction within the Islamic culture. This topic has been attracting scholarly attentions for many centuries for many cultural and political reasons. A tradition of such (Mis)-representation of Islamic culture in Western course of historical and literary texts on imaginative and intuitive specters is not new in its essence. On the other hand, Western intellectual discourse at large does not reveal the element of sensuality from its own tradition of courtly- love relationships. It is surprising to see that this relationship was reckoned sacred and existed between erotic desires and spiritual attainments within the Western culture. In Islamic tradition the harem or seraglio was restricted to the place where no strangers were allowed to visit and only a home's selected male members and chosen eunuchs were allowed to roam around freely. This study investigates how the Ottoman seraglio was portrayed in early modern writings and how the creative artists associated their cultural exotic phenomena with Ottoman Empire. How travel narratives, stereotyping, fantasy, over-generalization and religious biasness have contributed in fictionalizing the Ottoman Seraglio.

Keywords: Seraglio, Concubines Representation, Heram, courtly-love

یورپی دانش وروں کے لیے ترکی کو بطورِ اسلامی ملک یورپ کا حصہ تسلیم کرنا ایک تردد آمیز حقیقت ہے۔ یورپ سمیت دنیا کی ہر نو آبادیات اپنے "Others" تخلیق کر کے ان کے ادب، مذہب، آرٹ، سماجی بیانیوں اور ثقافتی

اداروں کی نمائندگی کا حق اپنے ہاتھ میں رکھنا اپنے سیاسی کھیل کا حق تسلیم کرتی ہے اور انسانی تاریخ اس جبر کے نمائندہ اظہاریوں سے بھری پڑی ہے۔ چنانچہ استنبول کو اپنے تمام تر شہری ، ثقافتی اور تاریخی حوالوں سمیت تاریخ میں لندن ، پیرس یا نیو یارک جیسی اہمیت حاصل نہیں ہوسکی ۔ اس کی بہت ساری وجوہات میں سے ایک یہ بھی تھی کہ مغربی نو آبادیاتی عناصر نے ترکی اور سلطنتِ عثمانیہ کو بطور "Other" اپنے سیاسی ، سماجی اور ثقافتی بیانیوں میں اختراع کیا اور اسے دیگر مسلم اکائیوں کی طرح خود سے حقیر ، بیگانہ ، وحشی، ثقافتی طور پر کمزور، اور جنسی تلذذ کا شکار ثابت کرنے کی کوشش کی ۔ Gofman اس سماجی بیانیے کے بارے لکھتا ہے:

''باوجودیکہ اس کا دارالخلافہ اور ایک تہائی علاقہ براعظم یورپ میں شامل تھے ،سلطنتِ عثمانیہ کو تواتر سے ایک علاحدہ اور یورپ سے دُور کوئی علاقہ تسلیم کیا جاتا تھا، اور اس کی وجہ مغربی ثقافت اور مذہب سے الگ شناخت ہونا تھی''۔(Gofman,2004)[۱]

شاید سلطنتِ عثمانیہ کے ثقافتی اظہاریوں اور مذہبی اور ریاستی توسیعیت عیسائی ریاستوں کے نزدیک ایک خطرہ تھے ، اسی لیے انہوں نے ترکی کے ان مظاہر کو مسخ کرنا شروع کردیا تا کہ ایک سطح پر اپنے مقامی لوگوں کو ان سے متاثر ہونے سے بچایا جا سکے ۔ حالانکہ ایک علاقائی نسبت ہونے کی وجہ سے عیسائی اور مسلمان ثقافتوں میں کئی اقدار مشترک تھیں لیکن تاریخِ انسانی کا مطالعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ ہمیشہ سے مخالف قوتوں کے بیانیوں کو مسخ اور تبدیل کیا جاتا رہا ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں۔مسلمانوں کی ثقافت کو جنس اور جنسی تلذذ سے جوڑنے کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ ایسا کرنا ایک غیر ثقافتی ، غیر اخلاقی اور حقیر عمل ہے ، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مغرب نے جو یہ کتھائیں گھڑیں ان کے مطابق مغربی کلچر ان عوارض سے پاک تھا ، حالانکہ مغربی ثقافت میں ہمیں عجیب غیر اخلاقی تعلقات کا بیانیوں کو ایسے ارفع بیانیے ملتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔انہی بیانیوں میں سے ایک بیانیہ "Courtly Love Relatioship " تھا۔ جو مغرب کی محبت ،جنس اور جنسی تعلق کے بیانیوں بارے ہمیں آشنا کرتا ہے۔ ڈاسن مغرب کے اسی عارضِ محبت بارے لکھتا ہے :

''عارضِ محبت یا Courtely-love کا بیانیہ جو معروف معنوں میں جوانمردانہ صنفِ مخالف محبت ،شہوت انگیز اداسی ، اور شہوانی بیانیوں سے مملو تھا،دراصل مغربی نشاۃ الثانیہ یا قبلِ از جدیدت عہد میں برطانیہ سے متعلق ایک نفسیاتی بیماری تھی''۔ (Dawson-2008)۲

مذکورہ بالا عبارت یہ بات کسی حد تک واضح ہوتی ہے کہ سلطنتِ عثمانیہ کے عروج کے وقت یورپی معاشرہ بالعموم اور برطانوی محل کے معاملات میں عارضِ محبت میں شہوت انگیز بیانیوں کا کس قدر چلن تھا ، اور ایک بات اور اس سے واضح ہوتی ہے کہ مغربی دانش کدوں کے ادبی اور غیر ادبی اظہاریوں پر اپنے ہاں کے عارضِ محبت کے بیانوں کا کتنا اثر تھا۔اسلامی معاشرے میں عورتوں کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے ، یہ اہمیت مغربی تفہیم سے ایک حد تک متصادم ہے ، مثلاً

نسائیت کی تحریک کا نعرہ لگانے والے یہ بات بھول جاتے ہیں کہ اسلام نے چودہ سو برس قبل جو اہمیت ، حقوق اور اختیارات عورت کو تفویض کیے تھے ، کئی سو برس مغربی معاشرے میں عورت نے اُن سے کم تر کے لیے آواز اٹھائی ، اور مزید حیرت یہ کہ فیمینزم کی تیسری لہر نے اپنے ابتدائی بیانیے کا ہی ارتداد کر دیا ۔ سو قبل از جدید مغرب کے اسلامی ثقافت اور خاص کے اپنے قریب رین حلیف مسلم شناخت یعنی سلطنتِ عثمانیہ کے ہاں خواتین کے خاص مقام کو قبول نہیں کیا اور اس سے متعلق نئی نئی کتھائیں گھڑی جاتی رہیں۔ قسطنطنیہ کی فتح ہمیشہ سے ہی مسلمانوں کا ایک خواب رہی تھی اس کی ایک وجہ زیرِ نظر حدیث بھی ہے۔ ایک موقع پر آقا کریم ﷺ نے فرمایا:

"تم ضرور قسطنطیہ فتح کر لو گے ، پس بہتر امیر ، اُس کا امیر ہوگا اور بہترین وہ لشکر ہوگا" (مسندِ امام احمد ، جلد نمبر چار، صفحہ ۳۳۵) ۳

سلطنتِ عثمانیہ ایک بہت وسیع و عریض سلطنت تھی جو کسی زمانے میں الجیریا ، تیونس ، طرابلس ، قاہرہ ، مکہ ، مدینہ ، یرشلم ، دمشق ، بغداد ، تہامہ ، بلغراد ، بڈاپسٹ ، قسطنطنیہ اور یورپ کے کئی علاقوں تک پھیلی ہوئی تھی ۔ سلطان محمد فاتح وہ سالار تھا جس نے قسطنطنیہ کو سلطنتِ عثمانیہ کا حصہ بنایا اور تاریخ میں سلطان محمد فاتح کے نام سے امر ہو گیا ۔ ایک طرف عثمانی اس قدر تیزی سے پھیل رہے تھے تو دوسری طرف برطانوی مسلمانوں کی عظمت سے خائف تھے ۔ یہ تمام ذکر اس لیے بھی ضروری تھا کہ ایک وقت میں یہ عثمانی ہے تھے جو خادمِ حرمینِ شریفین ہُوا کرتے تھے ۔ اس سے ان کی دین سے رغبت اور ثقافتی طور پر استحکام کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ لیکن دوسری طرف تاریخ میں ایک اور عثمانی بادشاہ جسے مسلم دنیا سلطان سلیمان اور مغرب Suleiman the Magnificent کے نام سے یاد کرتی ہے نے ۱۵۲۰ سے ۱۵۶۶ تک سب سے طویل وقت تک حکومت کی ۔ سب سے زیادہ اسی کے عہد کی (غلط) نمائندگی کی گئی ۔ اس کے عہد اور اس کے محل میں خواتین کے کردار اور حرم سرا کو مغرب نے بہت زیادہ مباحث کا حصہ بنایا۔ Peirca, P.L. کی کتاب *The Imperial Heram; women and sovereignty in the Ottoman Empire* جو ۱۹۹۳ میں لکھی گئی کے دیباچے میں Ithaca لکھتی ہیں کہ :

"اگر سولھویں اور سترہویں صدی عیسوی میں سلطنتِ عثمانیہ کا حرم سرا سب سے نمایاں موضوع رہا ، یہ بھی سچ ہے کہ اسی دور میں اسے سب سے زیادہ غلط سمجھا گیا ۔ جدید تاریخی بیانیے اس رجحان کو ظاہر کرتے ہیں کہ مورخ حرم سرا کو ایک ناجائز جنسی غاصبانہ ادارے کے طور پر نمایاں کر کے سلطنتِ عثمانیہ کے معاشرے کی اخلاقی بافتوں کو مجروح کرنا مقصود تھا"۔(Peirca,P.L,1993) ۴

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مغرب مسلمانوں کے ایک عمومی گھریلو ثقافتی ادارے جسے حرم سرا کہتے تھے کو کیسے سمجھتے تھے ۔ حالانکہ حرم سرا دنیا کی ہر دو ثقافتوں کا مشترکہ ثقافتی اظہاریہ ہے ۔ ہندوستانی سماج میں اسے زنانہ سے منسوب کیا جاتا

تھا۔ اور خلافتِ عثمانیہ میں گھر کی خواتین کے علاحدہ مقامات یا جگہوں کو جہاں عام مردوں کی رسائی ممکن نہ تھی ، کوحرم سرا کہا جاتا ہے ۔ یہ عمل ایک غیر معمولی عمل نہیں ہے ، دنیا کی ہر ثقافت میں حرم سرا کسی نہ کسی نام سے موجود ہے۔لیکن خرابے کی وجہ صرف مسلمانوں کے زنان خانے کوٹھہرا یا گیا ۔ عامرہ جارکھانی اپنی کتاب میں لکھتی ہیں :

’’ Seraglio کی اصطلاح خاص طور پر ترکی حرم سرا کے لیے اختراع کی گئی ہے جس کے مقصد حدود کی نشاندہی کرنا تھا۔ اس کا ماخذ اٹالین لفظ serare جس کا معنی لاک اپ یا قید خانہ ہے ، اور ترکی کا لفظ serai جس کا معنی رہنے کی جگہ ہے سے مستعار لیا گیا ہے۔اس اصطلاح کا مقصد خواتین کو قید یا محدود دکھانا تھا۔ چنانچہ مغربی تناظر میں حرم سرا کی تعریف کچھ یوں ہے کہ وہ جگہ ہے جہاں خواتین کو الگ تھلگ رہا جاتا ہو۔ پس بنیادی معنی قید خانہ کے ہی ہیں اور بعد میں جس میں قید خواتین کو ہم مسکن سمجھا جانے لگا‘‘۔(Amira,J:2008)۵

ایسا لگتا ہے کہ اُس وقت کے برطانوی مورخ اور دانش ور رومن حرم سرا اور غسل گاہوں سے شدید متاثر تھے اور ان کے اپنے ہاں کی عارضِ محبت کی روایت نے مل کر انہیں مسلمانوں کے حرم سرا بارے فکشن تحریر کرنے پر اکسایا ، یہ تمام معاملات یہیں پر ختم نہیں ہوتے قبل از جدید عہد سے شروع ہونے والا یہ منظر نامہ آج بھی اپنے توسیع پسندانہ عزائم کے ساتھ جاری و ساری ہے۔اور آج بھی مغرب اسلام ، اسلامی عقائد، شعائر ، معاشرت اور نبی کریم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ اور شخصیات سے متعلق ہرزہ سرائی کرتا رہتا ہے تاکہ مسلمانوں کی جذباتی شدت کو جانچا جاسکے اور کسی حد تک کم کیا جا سکے لیکن صدیوں پر محیط اس (غلط) نمائندگی سے اس قسم کے عوامل سے مسلمانوں کے تعلق کی تجدید ہی ہوتی رہی ہے اور مغرب کے اپنے ہاں سے مورخین نے اپنی ہی (غلط) نمائندگیوں کا پردہ چاک کیا ہے ، کیونکہ ایک طرح سے ایسے تاریخی اور سماجی بیانیے ان کے اپنے سماج کو بے وقوف بنانے کے مترادف تھے اور ایسا کرنا بھی ایک طرح سے ریاستی جبر اور ریاستی تشدد ہے ، مغرب کے اپنا ہاں کا فرد کم ازکم اسے سیاسی بیانوی اختراع سازی کا پردہ چاک کرتا ہے اور اپنے ہی سامراج کو رد کرتا ہے۔لطف کی بات یہ ہے کہ مغربی مفکرین اس طرح کی اختراع سازی کرتے وقت اس میں موجود تضاد کو بھول ہی گئے کہ نادانستہ وہ کیسے اپنے ہی بیانیوں سے انحراف کررہے تھے۔اس کی کئی مثالیں دی جاسکتی ہیں ۔ جیسے کہ یونانی تناظر میں ہولی ووڈ کی بنائی ہوئی ایک فلم 300 جس میں یونانی بادشاہ لیونائڈس اور پرشین شاہ خشیار یا Xerxes کی جنگ کا حال دکھایا جاتا ہے ۔اس میں دکھائی جانے والے مناظر میں سے کچھ مناظر یونانی اور ایرانی غسل خانوں اور حرم سرا بارے بھی ملتے ہیں جنہیں جنسی لحاظ بہت نمایاں دکھایا گیا ہے۔ یاد رہے کہ ان دونوں کا عہد حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً پانچ سو برس قبل کا ہے۔اس فلم میں ہمیں یونانی اور ایرانی غسل خانوں اور حرم سرا بارے معلوم ہوتا ہے ۔ اس روایت سے یہ اخذ کرنا مشکل نہیں کہ سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف یہ (غلط) نمائندگی ایک لحاظ سے یونانی اور

رومن ثقافتوں سے مستعار شدہ بیانیوں کا اثر تھا جس طرح عارضِ محبت کی روایت فرانسیسی روایت سے اخذ کی گئی تھی۔ جیسے ایڈورڈ سعید نے کہا تھا کہ'' ہر نمائندگی غلط نمائندگی ہوتی ہے''۔٦ عامر جرکمانی اپنی کتاب Imaging Arab Womanhood میں مغرب اور امریکہ کے تصور بارے لکھتی ہیں:

'' حرم کا عام طور پر مفہوم پردہ لیا جاتا ہے ، لیکن حرم سرا سے مراد وہ جگہ لی جاتی ہے جہاں خواتین پردہ نہیں کرتیں بلکہ یہاں کھلی کھلی شلواروں میں اور تنگ چولی پہنے شفاف نقاب کیے ہوئے فاحشہ عورتیں ہوتی ہیں''۔(Amira Jarkamani:1993).۷

جب کہ خود ترکوں کا حرم سرائے کیا تصور ہے یہ دیکھنا بھی ضروری ہے ۔ ترکوں کے ہاں حرم سرا کی دو شکلیں ہیں ، ایک وہ شکل جو نو آبادیاتی عناصر کے آنے کی بعد علمیاتی مباحث میں سرائیت کر کے مقامی آبادی کو اپنی روایات ، اقدار ، ثقافت ، مذہب اور ہیروز سے دُور کر دیتی ہے ۔ جس کی مثال ترکوں کے معروف سوپ سیریل جسے پاکستان میں'' میرا سلطان'' کے نام سے پیش کیا گیا تھا ، میں نظر آتی ہے ۔ جس میں سلطان سلیمان کو حورم سلطان سے محبت کرتے دکھایا گیا تھا ، مغربی مفکروں کے ہاں ایک تاثر یہ بھی ہے کہ مسلمان جنگ کے دوران جن خواتین کو قید کرتے تھے انہیں اپنے حرم کا حصہ بناتے تھے اور جس طرح '' میرا سلطان'' میں دکھایا گیا ہے کہ کس طرح بادشاہ جب حرم سرا میں آتا تھا تو راہداری کے دونوں اطراف باندیاں اور خوبصورت لڑکیاں اوپر بیان کیے گئے لباس زیب تن کیے کھڑی ہوتی تھیں ، بادشاہ جس خاتون کے ساتھ خلوت کرنا چاہتا تھا اُس کے سامنے رومال پھینک دیا کرتا تھا ، جیسا کہ اُس ڈرامے میں نشر کیا گیا تھا۔ یہ بعینہٖ وہی مابعد نو آبادیاتی علمیاتی خلیج ہے جس میں نو آبادیاتی عناصر اثر پذیری کے ذریعے در آتے ہیں ۔ یہ ڈرامہ ترکی سمیت یورپ ، ایشیا اور عرب مما لک میں دیکھا اور پسند کیا گیا ۔لیکن اس ڈرامے نے ترکی سماج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ، Reuters کی رپورٹ کے مطابق ترک بادشاہ سلیمان اور اس سے متعلق حرم سرا کا پرسماج میں بے چینی پائی گئی اور اسے روایت پسند طبقے نے نہ صرف مسترد کر دیا بلکہ احتجاج بھی کیا ، خود ترکی کے اُس وقت کے صدر طیب اردوان نے درج ذیل الفاظ میں اس ڈرامے میں ترک کے شاندار ماضی کی غلط نمائندگی کو رد کیا تھا :

'' اس ڈرامے میں ہماری نئی نسل کو اپنے شاندار ماضی کی توہین ، ہمارے تاریخی اساسے کی تذلیل اور منفی طریقے سے دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے''۔(Reuters)۸

یہ بالکل اسی متن کی نمائندگی ہے جو ۱۶۳۵ میں Greaves نے سلطان سلیمان کے حرم سرا بارے تحریر کیا تھا، اس میں سلطان سلیمان کو بالکل سوپ ڈرامہ میں پیش کیے گئے سلطان کی طرح دکھایا گیا تھا ۔ اس کتاب میں بادشاہ کے حرم ، اس کے وزیروں ، مشیروں ، لونڈیوں ، بیویوں سمیت ہر اُس عمل کو تحریر کیا گیا ہے جس سے سلطنتِ عثمانیہ کے اخلاقی منظر نامے کو پراگندہ دکھایا گیا ہے ۔ اس میں صفحہ نمبر ۳۶ میں گریوز لکھتا ہے :

''کنواریاں جونہی حرم سرا میں داخل ہوتی تھیں تو سب سے پہلے انہیں Turks (یعنی مسلمان) بنایا جاتا تھا۔ اس کے لیے ایک خاص تقریب کا انعقاد کیا جاتا تھا جس میں یہ کنواریاں اپنی شہادت والی انگلی اٹھا کر یہ الفاظ ادا کرتی تھیں (لا الہ اللہ محمد رسول اللہ) جس کا معنی یہ تھا کہ کوئی خدا نہیں سوائے اللہ کے اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں''۔ (Greaves ,1635, p36)۹

یہاں اس متن میں مصنف کا اسلام بارے علم بہت سطحی معلوم ہوتا ہے۔ فرض کریں کہ ایک بادشاہ جو کہ بطور مغربی مفکرین کے حرم سرا جیسے غیر اخلاقی گھریلو ادارے کا مالک ہے، وہ با اختیار ہے، گویا جو تصورِ حرم سرا مغرب کے ذریعے ملتا ہے وہ اسلام سے عین متصادم ہے، سو اگر بادشاہ اسلام سے متصادم کوئی فعل سرانجام دے رہا ہے تو اسے قیدی خواتین کو مسلمان یعنی Turks بنانے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ اس امر کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ مغرب کا تصورِ باندی بھی ناپختہ تھا۔ باندی کا تصور اسلام کا اختراع کردہ نہیں ہے۔ اسلام سے قبل قیدی خواتین کے ساتھ تعلق جسمانی تعلق ایک روایت تھا۔ اسلام نے تو باندی کے تصور پر اتنی ذمہ داریاں عائد کردیں کہ اس کی باقاعدہ شکل بہت جلد ختم ہوگئی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مغرب جس کے ہاں کثیر الازواج کی روایت نہیں ہے، مسلمان کی کثیر الزوج معاشرے پر ایک تعصب بھری نگاہ ڈالی ہو اور اسے غیر اخلاقی ضابطے سے منسلک کیا ہو۔ یوں بھی مسلمانوں کے حرم سرا تک ان کی رسائی نہیں تھی اس لیے انہوں نے بہت سی داستانیں بنالیں۔ ابتدا میں اس بارے سفر نامے پر اکتفا کیا گیا جن کا مواد اکثر تصورات اور مبالغے پر مبنی ہوتا تھا۔ بعد میں باقاعدہ (غلط) نمائندگی ایک سوچی سمجھی اسکیم پر منتج ہُوا۔ فتح اللہ گولن جو کہ ترکی کے ایک معروف مذہبی سکالر اور روحانی پیشوا سمجھے جاتے ہیں کا حرم سرا بارے تصور کچھ یوں ہے:

''حرم سرا پھولوں کے ایک ایسے گلدستے کی مانند ہے جو بیک وقت پھول اور اخلاقی ثقافتی اقدار کی خوشبو برساتا ہے۔ جیسے کہ ایک گھر میں انفرادی خلوت گاہ ایک ایسی جگہ ہوتی ہے جہاں ہر کسی کی رسائی نہیں ہوتی کہ یہ انتہائی ذاتی جگہ ہوتی ہے اور اس کی ایک خاص حرمت ہوتی ہے، یہاں تک کہ ایک ہی گھر کے افراد ایک دوسرے کی خلوت گاہ میں جانا پسند نہیں کرتے کہ اس سے اس کا تقدس ظاہر ہوتا ہے۔ ایسے ہی خلافتِ عثمانیہ میں حرم سرا کو ایک خاص مقام حاصل تھا جہاں گھر کی خواتین اور خادماؤں کو دیگر گھر سے الگ رکھا جاتا تھا اور یہ صرف ترکی روایت نہیں ہے''۔ (Fgulen.com/books)۱۰

فتح اللہ گولن اور طیب اردوان کے بیانوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مغرب بطورِ بیرونی نو آبادیاتی ایجنٹ اور بطورِ مقامی نو آبادیاتی ایجنٹ ہر دو سطح ہر عثمانی حرم سرا کی غلط نمائندگی میں مصروف رہا اور اس کے بے شمار سیاسی، ثقافتی اور معاشی مقاصد تھے۔ جیسے کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ سب سے مضبوط نو آبادیاتی ہتھیار زبان اور ثقافت کو مسخ کرنا ہوتا ہے۔ نو آبادیاتی سماجوں میں یہ ایک نفسیاتی مسئلہ ہے کہ مقامی ثقافتی اکائیاں اپنے ہاں کے طرزِ معاشرت اور طرزِ سیاست

سے بیزار دکھائی دیتے ہیں اور نو آبادیاتی عناصر کے زیرِ اثر بیانیوں پہ اپنے مقامی بیانیے تشکیل کرتے ہیں، مغرب ترکی سیاسی منظر نامے پر بیسیوں صدی کے ابتدائی سالوں میں زیادہ حاوی رہا تاہم عمومی طور پر مغرب خاص طور پر برطانیہ ترکوں سے خوفزدہ رہا اور حیرت انگیز طور پر ایرانی صفوی بادشاہوں سے تعلقات بہتر اور کسی حد تک بردرانہ قائم رکھے۔ اس کی بہت سی وجوہات ہیں، ان میں سے ایک کے بارے میں Vaughan, لکھتا ہے:

''ایرانی صفوی ترکوں کی طرح عیسائیت کے لیے خطرہ نہیں تھے۔ درحقیقت صفوی حکمران خاص کر شاہ عباس عیسائیوں کے بہت دوست تھے بلکہ نیم عیسائی ''pseudo-Christians'' تھے

۱۱(Vaughan, 1954, 210; Matar, 1998, 130-31; Knobler, 1996)۔

اس بیانیے سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مغرب خاص کر برطانیہ بہت ابتدا سے ہی مسلمانوں کو عدم شناخت کے مرحلے سے گزار رہا تھا، مغرب نے کمال مہارت سے مسلمانوں کے درمیان انسلاک کی بجائے اختلاف کو دریافت کیا اور اُس کا سیاسی استعمال کیا اور سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف اپنا حلیف تلاش کیا۔ دوسری طرف وہ مسلمانوں کی ایک کثیر جمعیت کو اپنے ہی ثقافتی بیانیوں کے خلاف اکسانے پر کامیاب بھی ہوگیا، تاہم اس کے اپنے تاریخی اور اختراعی بیانیوں میں جو خلا تھا یا تضاد تھا بلآخر اُس کے ذریعے مسلمانوں کی مسخ شدہ تاریخ کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ مضمون اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ گافمین، ڈی، .The Ottoman empire and early modern Europe، کیمبرج یونیورسٹی پریس: کیمبرج، ۲۰۰۴ء

۲۔ ڈاسن، ایل، .Gender in early modern English literature، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، نیویارک، ۲۰۰۸ء

۳۔ مسند امام احمد بن حنبل، جلد نمبر چار ص ۳۳۵

۴۔ پیئرس، پی ایل، The Imperial Heram; women and sovereignty in the Ottoman، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، نیویارک، ۱۹۹۳ء

۵۔ جرمکانی، اے، Imagining Arab Womanhood;The cultural mythology of veils, harems, and belly dancers in the U.S، میکملن پریس، نیویارک، ۲۰۰۸ء

۶۔ سعید، ایڈور، Orientalism، پینتھائین بکس، نیویارک، ۱۹۷۸ء

۷۔ جرمکانی، اے، Imagining Arab Womanhood;The cultural mythology of veils, harems, and

belly dancers in the U.S، میکملن پریس، نیویارک، ۲۰۰۸ء

۸۔ http://www.reuters.com/article/us-turkey-ottoman-drama-idUSTRE7173GA20110208

۹۔ گریوز، جے، A description of a grand signour's seraglio or Turkish emporer's court.، کیسل اان فلیٹ، لندن، ۱۶۵۳ء

۱۰۔ http://fgulen.com/ur/books-pk/islam-and-contemporary/31121-harem-in-the-ottoman-empire

۱۱۔ http://sro.sussex.ac.uk/39657/1/Masood,_Hafiz_Abid.pdf